آتشِ طور

محمد نذیر فداؔ

آتشِ طور

محمد نذیر فدا

آتشِ طور
محمد نذیر فدا

نام کتاب : آتشِ طور

مصنف : محمد نذیر فدؔا

کتاب کی نوعیت : شاعری

کمپوزنگ وسرورق : عبدالمنان گورسی سری نگر 7006623882
gorsi7373@gmail.com

اشاعت : 2023ء

قیمت : 100 روپیہ

مطبع :

رابطہ :

محمد نذیر فدؔا (سابق پرنسپل ڈسٹرکٹ جج)

مکان نمبر 10 توحید آباد بمنہ سری نگر

رابطہ نمبر:- 9419051340

انتساب

اپنے ہی نام

''یہ میری شاعری ہے صرف میرے لئے''

فہرست

گمنام تھا، پرتشنگی سے ہُوا مشہور

شوپیان، کشمیر وادی کے خطۂ کامراج کا ایک مُردم خیز علاقہ ہے۔ کشمیر میں آج تک جتنی بھی مشہور تاریخیں لکھی گئیں ہیں اُن میں بالواسطہ یا بلاواسطہ اس جگہ کا ذکر موجود ہے۔ اقلیم سخن وسیاست کے کتنے ہی شہسواروں نے ادب، ثقافت، درس وتدریس، تصنیف وتالیف ،صحافت، صنعت وحرفت اور دیگر شعبہ جات میں اپنے جوہر دِکھائے ہیں۔ علاقے کی عصرِ حاضر کی شخصیات میں جناب محمد نذیر فدا کا اسمِ گرامی بہت سی خصوصیات کے ساتھ مشہور ہ کہ قدرت نے اُن کو گونا گوں صفات سے مالا مال کیا ہے۔ شوپیان کا مولوی خاندان صدیوں سے اپنی شرافت، نجابت، علم پروری اور تبلیغِ دین کے لئے جانا پہچانا جاتا ہے۔ آپ اِسی معزز ومکرم خاندان کے چشم وچراغ ہیں۔ آپ ایک ادیب، شاعر، محقق، انشاء پرداز، صحافی، مصنف اور موَلف ہیں۔ اُن کی شخصیت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ آپ ایک منجھے ہوئے قانون دان ہیں۔ عدلیہ میں بڑے بڑے عہدوں پر فائزرِہ کر اپنی خداداد صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے۔

اُدب اور قانون کا رشتہ یُوں تو بہت پُرانا ہے اور یہ دونوں اپنی طرف بھرپور توجہ کے متقاضی ہوتے ہیں۔ فدا صاحب بڑی خوبی کے ساتھ اِن کے مابین یہ توازن رکھنے میں کامیاب رہے ہیں۔ بقولِ مولانا حسرت موہانی

ہے مشقِ سخن جاری، چکّی کی مشقت بھی
اِک طرف تماشا ہے حسرتؔ کی طبیعت بھی

جناب نذیر فداؔ صاحب کشمیری میں شعر کہتے ہیں یہ تو اُن کے شناساؤں کو بخوبی معلوم ہے لیکن وہ اردو شاعری سے بھی شغف رکھتے ہیں اِس بات سے بہت کم لوگ آشنا ہیں بلکہ میرے لئے بھی یہ بات کسی خوشگوار حیرت سے کم نہیں تھی جب اُن کے اردو کلام کی کسی قدر ورق گردانی کی تو اِسے اُستادانہ خوبیوں کا حامل پایا۔ کلام کا کچھ حصّہ اُساتذہ کی زمینوں میں ہے بلکہ یُوں کہیے کہ اِن زمینوں میں شعر کہنے کا حق ادا کیا گیا ہے۔ معنی آفرینی اور رعایتِ لفظی جگہ جگہ نظر آتی ہے۔

کیوں نہ ہو کعبہ میرا قبلہ باذن اللہ　　اپنے محبوب کی چاہت کا نِشاں ہے کعبہ
آزمائش میں اُترنا خلیل اللہ کا　　پسرِ بے لُوث کی عظمت کا نشاں ہے کعبہ

مسجدِ نبویؐ کی منظر کشی یُوں کرتے ہیں۔

”دیکھا تو یاد آیا
مٹی کا گارا لئے ہوئے اصحابؓ
یاد آتا ہے ایوب انصاریؓ کا والہانہ استقبال
نئے انقلاب کا یہ غمّاز
قیصر و کسریٰ کا زوال
مال و اسباب کے دو حصّے کر دوں
ایک اپنے لئے، ایک مہاجر بھائی کو دوں“

فِدا صاحب نے زندگی کی حقیقتوں کو باریک بینی سے دیکھا اور پرکھا ہے اُن کی شاعری اِن ہی تجربات کی آئینہ دار ہے۔

یہ تیری قناعت کیا جانیں
وہ سیم و زر کو نگلتے ہیں

فدا صاحب کے کلام میں جا بجا امن اور اُمید کے الفاظ نظر آتے ہیں اُن میں حالات سے لڑنے اور آگے بڑھنے کا حوصلہ ہے، اس کا اظہار وہ اپنے مخصوص شاعرانہ پیرائے میں کرتے ہیں۔ ؏

شہر ویراں ہے اور چراغاں کون کرے
ایک مٹّی کا دیا پھر بھی جلائے رکھنا

....

ہُوا غائب تمہارے سر سے آنچل
قبائے یار کو پرچم بنانا

....

بڑی فرصت سے اِس مے خانے کی دہلیز پر آیا
اِسی پیالے میں پینے دے شراب آہستہ آہستہ

بہر کیف......! سلسلہ طولانی ہے اور اس کا احاطہ قارئین کی صواب دید پر ہے۔ اُمید ہے کہ محمد نذیر فداؔ کی دیگر تصانیف اور تالیفات کی طرح اُن کی اِس پُر خلوص کوشش کو بھی پذیرائی حاصل ہوگی۔ ؏

خودی سے مردِ خود آگاہ کا جلال و جمال
کہ یہ کتاب ہے باقی تمام تفسیریں (اقبالؒ)

محمد اشرف ٹاک
چیف ایڈیٹر
جے اینڈ کے اکیڈیمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز سری نگر

یکم جنوری ۲۰۲۱ء

اپنی بات

میں شوپیان کے ایک علمی خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔ مولوی محمد انور شوپیانیؒ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ وہ ایک فردِ واحد کا نام نہیں بلکہ ایک تحریک کا نام ہے جنہوں نے دینی خدمات کے ساتھ ساتھ زبان وادب کو بھی مالا مال کر دیا۔ ابتدائی دور میں مجھے کلچرل فورم شوپیان جو کہ ایک قدیم مشہور ادبی انجمن تھی کے ساتھ وابستہ رہنے کا شرف حاصل ہے۔ خصوصی طور عبدالرحمان طالبؔ، محمد عبداللہ طارقؔ اور محمد ایوب بیتابؔ مرحوم جیسے اساتذہ کرام کے ساتھ فورم میں شانہ بہ شانہ کام کیا۔ ان سے تربیت پائی جس کے نتیجے میں زبان و ادب کے بارے میں ان سے بہت کچھ ملا۔ فورم نے ان اساتذہ کی رہنمائی میں دو اہم کتابوں کی ترتیب وتدوین مکمل کی جن میں نیبر ی پوش اور زژہٕ (کشمیری زبان میں) شامل ہیں۔ کلچرل فورم نے سال 1967ء میں شوپیان میں ایک عظیم الشان ادبی کانفرنس کا اہتمام کیا جس میں شمیم احمد شمیمؔ اور پروفیسر محی الدین حاجنیؔ کو خاص طور پر مدعو کیا گیا تھا۔ دونوں ممتاز ادیبوں نے میری پیٹھ تھپ تھپا دی اور ہمت افزائی کی۔ شمیمؔ مرحوم نے میرا کلام سنا اور بہت خوش ہوئے۔

پھر اگلے سال یعنی 1968ء میں جب شوپیان میں یوم اقبال منایا گیا تو شمیم صاحب

مرحوم کی وساطت سے کشمیر یونیورسٹی کی اقبالؒ چیئر کے سربراہ پروفیسر عبدالقادر سروری شوپیان تشریف لائے۔ مرحوم شمیم صاحب نے مجھ ناچیز کا تعارف پروفیسر عبدالقادر سروری سے کرایا۔ اس موقعہ پر میں نے ''علامہ اقبال کی شاعری اور بچے'' عنوان کا مقالہ پڑھا۔ حالانکہ میں اس وقت نویں جماعت کا طالب علم تھا اور یونیورسٹی میں میرا جانا دور کی بات تھی۔ پھر ایک وقت آیا جب سرینگر کے ایس پی کالج میں داخلہ لیا جہاں میرے ساتھ ماجد جہانگیر فلمی دنیا کے مشہور پروڈیوسر وڈائیریکٹر ودھو ونود چوپڑہ اور مشہور صحافی شیخ تجمل الاسلام بھی ہم مکتب رہے۔ ماجد صاحب نے اپنے برادرِ محترم وحشی سعید صاحب سے میرا تعارف کرایا جو ان دنوں مشہور ادبی میگزین ''نگینہ'' کے مدیر تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے قدم قدم پر میری حوصلہ افزائی کی اور میرا ساتھ دیا۔

خوش قسمتی تھی کہ ایس پی کالج میں پروفیسر غلام نبی فراقؔ اور پروفیسر حاجنیؔ سے درساً پڑھا اور کالج کی ''بزم ادب'' سے پوری طرح سے وابستہ ہوگیا۔ بزم ادب ایس پی کالج کی وساطت سے ادبی حلقوں میں میری جان پہچان ہوگئی۔ اس طرح سے کالج سے مشہور زمانہ میگزین (پرتاپ) کے شعبہ کشمیری کا ایڈیٹر مقرر ہوگیا۔ ایس پی کالج سرینگر میں مشہور زمانہ اساتذہ کرام پروفیسر سیف الدین (تاریخ) پروفیسر نذیر احمد خان (انگریزی) پروفیسر جی ایم میر (کیمسٹری) پروفیسر عبدالعزیز (فارسی) پروفیسر ستار احمد شاہدؔ (اردو) پروفیسر غلام محمد ملک شوریدہؔ (اردو) پروفیسر غلام محمد حیاتؔ (اردو) پروفیسر عبدالمجید سائیر (اردو) پروفیسر ایل این دھر (تاریخ) اور پروفیسر سیوا سنگھ (پنجابی) نہایت ہی قابل ذکر ہیں جنہوں نے وقتاً فوقتاً میری ہمت افزائی کی اور اس طرح سے میں کالج کے ایک ہر دل عزیز طالب علم کے روپ میں اُبھر آیا۔

سال 1971ء میں جب میں انٹر کالج سمینار میں اوّل آیا تو اس وقت کے ریاست کے گورنر جناب بھگوان سہائے نے توصیفی سند، نقد انعام اور دستارِ فضیلت سے نوازا۔

دوسرے روز جب میں پرنسپل نذیر احمد خان مرحوم کی خدمت میں یہ خوشخبری لے کر حاضر ہوا تو وہ فرطِ مسرت سے جھوم اُٹھے مجھ سے بغل گیر ہوئے اور دعائیں دیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت نصیب کرے۔ وہ انگریزی کے ایک مایۂ ناز پروفیسر تھے۔ بعد ازاں وہ پبلک سروس کمیشن کے چیرمین کے عہدے سے سبکدوش ہوئے۔ پھر کیا تھا کہ سرینگر کے اطراف و اکناف میں بشمول سوپور و اسلام آباد (انت ناگ) اور دیگر علاقہ جات کی ادبی سرگرمیوں میں نہایت تیزی کے ساتھ حصہ لینے لگا۔ سرینگر میں جموں و کشمیر کلچرل سنگم جس کے روحِ رواں اس وقت نذیر احمد نذیرؔ تھے میں بھرپور شرکت کی۔ پھر جناب غلام نبی گوہرؔ سابق پرنسپل ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج نے کشمیر کلچرل آرگنائیزیشن میں بطور سیکرٹری لیا اور مدت تک کشمیری زبان کے کوشر اخبار میں بطور مدیر تعینات کیا اور اس طرح سے ادبی منظر نامے پر پوری طرح چھا گیا۔

ایک بار اسلامیہ کالج سرینگر میں اردو زبان کے مشہور افسانہ نگار کرشن چندر اور ان کی اہلیہ سلمیٰ صدیقی تشریف لائے تو فاروق نازکی صاحب نے مجھے اپنے ساتھ موٹر کار میں اسلامیہ کالج پہنچا دیا۔ وہاں پر شمیم احمد شمیمؔ پہلے سے ہی موجود کرشن چندر جی کے ساتھ محوِ گفتگو تھے۔ میں نے اس دن کرشن چندر اور سلمیٰ جی کو آمنے سامنے دیکھا۔ ان سے طلباء نے سوالات کئے جن کے جواب بھی میں نے بغور سن لئے۔ فاروق نازکی صاحب نے جس خلوص کے ساتھ میری حوصلہ افزائی کی، ناسپاسی ہوگی اگر میں ان کا تذکرہ یہاں نہ کروں۔ وہ ان دنوں ریڈیو کشمیر سرینگر کے روحِ رواں تھے۔ انہوں نے ریڈیو پروگراموں میں میری شرکت کو ممکن بنا دیا۔ یہ نازکی صاحب ہی تھے جنہوں نے مجھے ریاست کے ایک مشہور ادیب غلام رسول سنتوشؔ سے ملا دیا اور اس طرح سے ان کے ماہانہ رسالہ "کوشر ادب" کے ساتھ پوری طرح جُٹ گیا۔ کاتب کو رسالہ کا مسودہ فراہم کرنے اور رسالے کو چھاپ خانے سے لانے اور تقسیم کرنا جیسے کام میرے سپرد ہو گیا۔ اس طرح سے ایک عجیب

کیفیت طاری ہوتی ہے جب ان سارے مناظر آنکھوں کے سامنے آتے ہیں۔ وقت گزرنے میں دیر نہیں لگتی اور لگتا ہے یہ باتیں جیسے کل کی باتیں ہیں۔

ریاستی عدلیہ میں آنے سے قبل کچھ عرصے تک میں دوردرشن سرینگر کے شعبہ خبر سے منسلک رہا۔ میں ایک معروف کشمیری نیوز پریزنٹر News Presenter کے روپ میں ٹیلیویژن کے اِسکرین پر اُبھر آیا۔ ایک بار مظہر امام نے جو اُس وقت دوردرشن کے اسٹنٹ ڈائریکٹر کے عہدے پر تعینات تھے کہ مجھے اطلاع دی کہ میں فوراً اُن کی قیام گاہ پر حاضر ہو جاؤں۔ اُن کی قیام گاہ پر دیکھا کہ اُردو زبان کی مشہور افسانہ نگار عصمت چغتائی صاحبہ ان کے پاس تشریف فرما تھی۔ اتفاقاً پچھلی شام چغتائی صاحبہ نے مجھے دوردرشن اسکرین پر دیکھا تھا تو امام صاحب سے کہا کہ اس نوجوان کو روبرو دیکھنا چاہتی ہوں۔ دیکھا کہ ایک جھریوں والی بوڑھی عورت کرسی پر براجمان ہے۔ علیک سلیک کرنے کے بعد میں نے اپنا تعارف کیا ہے اور عصمت چغتائی صاحبہ نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ بہت خوب رو نوجوان ہو، تمہاری خبر دیکھ لی، آواز، شکل اور اسکرین بہت کمال کا، کاش میں جوان ہوتی۔ اس طرح محفل کے ہوا میں قہقہے بلند ہوئے۔

اس طرح کالج کے دنوں یعنی سال 1969ء میں ایک بار سیاحوں کے استقبالیہ مرکز میں ایک عظیم الشان مشاعرے کا اہتمام ہوا۔ میں نے اوّل سے آخر تک مشاعرہ سنا۔ تقریباً ایک بجے رات یہ مشاعرہ ختم ہوا جس میں فراقؔ گورکھپوری، شاذؔ تمکنت، اور مخدومؔ محی الدین کو سنا اور ان کو بالمشافہ دیکھا۔ مخدوم صاحب کا ہی ایک شعر یاد آیا۔

پلا جا اور پیئے جا خوب ساقی
کہ دنیا ہے سراسر اتفاقی

دنیا بھی عجیب ہے۔ سال 2012ء میں حیدر آباد جانے کا موقعہ ملا اور وہاں مخدومؔ صاحب کے فرزند جو محکمہ خزانہ میں ملازمت کرتے تھے سے ملاقات کرنے کی سُوجھ لی لیکن

وہ اپنے دولت خانہ پر موجود نہ تھے۔ مجھے وہ لمحات یاد آئے جب اُن کے والد سرینگر کے مشاعرے میں اپنا کلام سنا رہے تھے۔ مخدوم صاحب کے بارے میں مجھے صرف اتنا معلوم تھا کہ حضرت مریم علیہا اسلام پر لکھی نظم پر ایک حلقہ ان کے مخالف ہو گیا تھا اور وہ زبردست ملامت کے شکار ہوئے تھے۔

پھر سال 1980ء بھی یاد آیا جب میں پہلی بار حیدر آباد دکن گیا اور وہاں مدیر روزنامہ ''سیاست'' سے بھی ملاقات ہوئی۔ اُسی سال آل انڈیا ریڈیو حیدر آباد میں اُردو کے ایک مشہور ادیب اور پروڈیوسر اظہر افسر سے بھی ملاقات ہوئی اور انہوں نے میرا پروگرام ریکارڈ کیا۔

میں ریاست کی عدلیہ کی ملازمت کے دوران جب سال 2009ء میں نیشنل جوڈیشل اکیڈیمی بھوپال گیا تو پروگرام کے اختتام پر میں نے اکیڈیمی کے ڈائیریکٹر جناب گوپال موہن سے درخواست کی کہ وہ میرے لئے موٹر کار مہیا رکھے تا کہ میں نواب سر حمید اللہ خان کے ورثاء اور خصوصی طور سے نواب سید صدیق حسن خان مرحوم (جو تقریباً 222 کتابوں کے مصنف ہیں) کے پڑپوتوں سے ملاقات کروں۔ میرے ساتھ میرے دوست کلکتہ ہائی کورٹ کے سابق جج جناب جسٹس توفیق الدین بھی ہمراہ تھے۔ جناب مرحوم نواب صدیق حسن خان صاحب کے پڑپوتوں جناب محبوب علی خان اور جناب علی حسن خان نے ہماری ہمت افزائی کی۔ جناب محبوب علی خان صاحب نے شیش محل کے وہ کھنڈرات دکھائے جہاں علامہ اقبالؒ، راس مسعود، علامہ شبلی نعمانیؒ اور سید سلیمان ندویؒ تشریف لا کر رونق افروز ہوا کرتے تھے۔ میں نے اس کمرے کو بھی دیکھا جہاں صدیق حسن خان مرحوم نے زندگی کی آخری سانس لی۔ نواب بیگم شاہجہاں صاحبہ کا خاص مہمان خانہ بھی دیکھا جو کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا ہے۔ میں نے مولانا عبدالرشید شوپیانی کے بارے میں معلوم کیا لیکن اُن کا مدفن کہیں نہ ملا۔ یاد رہے کہ مولانا عبدالرشید شوپیانی کے دو شاگرد علامہ شبلی نعمانیؒ اور محمد حسن علی طاہر قابل ذکر ہیں۔ مولانا شوپیانی کا عربی قصیدہ اور نواب صاحب کی تصنیفات پر لکھیں

سات تقریظیں (عربی) میرے پاس موجود ہیں۔ جناب سلیم فارس آفندی مدیر اخبار الجوائب (عربی) نے علماء عرب و عجم کی تقریظیں جمع کر کے نواب صاحب مرحوم پر ایک کتاب موسوم بہ (قرة الاعیان و مسرة الاذهان) 1290ھ میں قسطنطنیہ سے شائع کی۔ اس میں سلطان عبدالحمید خان کا فرمان جلالت نشان بھی موجود ہے۔ یہ نادر و نایاب کتاب میرے پاس موجود ہے اور ارادہ ہے کہ اس کو اقبال لائبریری یونیورسٹی آف کشمیر کو سونپ دوں۔ اسی طرح بھوپال ٹاکیز چوراہے پر بھی گیا جہاں پر نواب صدیق حسن خان صاحب مدفن ہیں۔ بعد ازاں نواب شاہ جہاں بیگم نے مزار کے اوپر سنگ مرمر کی ایک خوبصورت جالی تعمیر کرادی اور مزار کے چاروں طرف پختہ دیوار کھڑی کر دی گئی ہے تا کہ مقبرہ محفوظ رہے۔ اللھم اغفرلھم وارحھم۔

میں اردو زبان و ادب سے شغف رکھنے والا ایک طالب علم ہوں۔ اس بات کا اندازہ آپ اس امر سے بخوبی لگا سکتے ہیں کہ اپنی ملازمت کے دوران بیسوں فیصلے انگریزی زبان کے بجائے اُردو میں ہی رقم کیے۔ اردو ہماری ریاست کی سرکاری زبان ہے لیکن اس کے باوجود بھی اس کو وہ پذیرائی نہ ملی جس کی یہ حقدار ہے۔ یہ بات مسلمہ ہے کہ اردو کے ساتھ بے اعتنائی کے سبب ہماری ریاست میں اب نئی پود اردو سے پوری طرح دور ہو گئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی اردو زبان میٹھی اور وسعت کے لحاظ سے کافی لچکدار ہے۔

اردو زبان دیگر زبانوں کے الفاظ سمیٹنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔ عالمی سطح پر انگریزی زبان کے استعمال کے ہوتے ہوئے بھی دیگر زبانوں کے مقابلے میں اردو کو عالمی سطح پر ایک اہم مقام حاصل ہوا ہے۔ یورپی ممالک میں ریڈیو کی اردو نشریات اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں اور اب ٹیلیویژن پر بھی اردو کی بساط کافی حد تک پھیل چکی ہے جو کہ ایک خوش آئندہ قدم ہے۔

مدت ہوئی کہ میں اپنے اردو کلام کو یکجا کر کے ایک کتاب کی صورت میں منظر عام پر

لانے کی آرزو اپنے دل میں لئے ہوئے تھا اور شاید یہ حسرت ہی رہتی، جب ستمبر 2014ء کے خطرناک سیلاب نے شہرِ سرینگر کو غرق کر دیا۔ عوام و خواص کو جانوں کے لالے پڑ گئے اور سرینگر کے املاک و اشیاء کو زبردست نقصان پہنچا جس کی تلافی بہت حد تک ناممکن ہے۔

سیلاب نے راقم کی بہت ساری کتابیں جن میں تفاسیر، احادیث، فقہ، تاریخ اور سیرت کی کتابیں شامل تھیں کو تباہ و برباد کر دیا اور ان سب کو زمین بوس کر دینا پڑا۔ صرف یہی نہیں بلکہ میرا مال و متاع یعنی شعر و شاعری کا ذخیرہ بھی پانی اپنے ساتھ لے گیا۔ بیشتر کتب ہائے قانونی کا بھی یہی حال ہوا۔ لیکن وہ دوبارہ حاصل کی جا سکتی ہیں۔ لیکن اردو کی کئی ایسی کتابیں ضائع ہو گئیں جو بالکل نایاب ہیں۔ جیسے رسالہ اشاعۃ السنہ کے کچھ اہم شمارے (جو بقول مولانا مسعود عالم ندوی رضا لائبریری رام پور اور خدا بخش لائبریری پٹنہ میں بھی ان کو تلاش کے باوجود نہ مل سکے۔ اسی طرح نواب صدیق حسن خان کی مشہور زمانہ کتابیں اتحاف النبلاءؔ، ابقاء المنن، حضرت شاہ ولی اللہؒ کی فارسی کتاب سراج السالکین کا اردو ترجمہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کا لکھا ہو تمہید اور مرزا حیرت دہلوی کی تالیف کردہ منصبِ امامت اور شاہ اسماعیل شہید دہلویؒ پر تالیف کردہ سوانح سیرتِ طیبہ زیرِ آب آ کر تباہ ہو گئیں۔

اس علمی نقصان پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ میں ایک گمنام اور غیر معروف ادیب ہوں۔ اپنا کچھ بچا کھچا کلام جو کاغذ کے چیتھڑوں پر لکھا تھا نہایت ہی عرق ریزی کے ساتھ جوڑا ورنہ سیاہی پانی سے بہہ گئی تھی اور کہیں کہیں عکس کے نشان بھی موجود نہ تھے۔ میرے حالات کی عکاسی میر تقی میر ہو بہو اپنے اس شعر میں کرتا ہے۔ ع

لکھے کیا میر مینہہ کی طغیانی
ہو گئی ہے سیاہی بھی پانی

راقم اپنی یادداشت کے سہارے تھوڑا سا کلام نقل کرنے میں کامیاب ہوا اور آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔ سخن شناس لوگ خود ہی فیصلہ کریں کہ میں کس

حد تک اردو زبان کے تئیں اپنی محبت کا اظہار کرتا ہوں۔

"شیرازہ اردو" کے چیف ایڈیٹر محترم محمد اشرف ٹاک صاحب کا بے حد مشکور ہوں جنہوں نے گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس کتاب کا دیباچہ رقم فرمایا۔ اُن کی درازی عمر کی دُعا کرتا ہوں۔ اسی طرح خطاطی بذریعہ کمپوزنگ سے وابستہ نوجوان جناب عبدالمنان گورسی صاحب کا بھی مشکور ہوں جنہوں نے بکھرے کلام کو یکجا کرنے میں میری مدد کی۔ اللہ ان کو جزائے خیر دے۔

محمد نذیر فدؔا

سابق پرنسپل ڈسٹرکٹ اینڈ سیشنز جج

جموں

15 رفروری 2016ء

حمدِ باری تعالیٰ

عاصی ہوں ، خطا کار ہوں
میرے خدائے ذو الجلال
ہر سمت زیاں کار ہوں
میرے خدائے ذوالجلال

نیکی نہ ہاتھ آئی کبھی
ہر وقت پائی ہے بدّی
میں برسرِ پیکار ہوں
میرے خدائے ذوالجلال

ساری عمر ہر ساعت میں
گذری ہے خرافات میں
توبہ کیا بے زار ہوں
میرے خدائے ذوالجلال

تیری ہیں مہربانیاں
اور میری نافرمانیاں
ناچار اور نادار ہوں
میرے خدائے ذوالجلال

تو خالق ومالک میرا
کوئی نہیں ہے دوسرا
کتنا میں گنہگار ہوں
میرے خدائے ذوالجلال

یوں ہی گذاری زندگی
قاصر ادائے بندگی
میں بندہ سیاہ کار ہوں
میرے خدائے ذوالجلال

شیطان سے کی دوستی
چھوڑی یہ اپنی نیستی
کیا خاک وفادار ہوں
میرے خدائے ذوالجلال

سب دیئے چل چھوڑ کے
رشتہ وناطہ توڑ کے
بے یارو مددگار ہوں
میرے خدائے ذوالجلال

تو میرا رَبِ غفور ہے
تیرا فضل و کرم بھی وفور ہے
خلقت سے بھی دو چار ہوں
میرے خدائے ذوالجلال

حاجت روائی کر مجھے
جھولی کرم سے بھر مجھے
آیا میں زیر بار ہوں
میرے خدائے ذوالجلال

حمد

بشر ایک بار دے تو تھکتا ہے
ایک تو بے حساب دیتا ہے
میں کروں تکیہ کس پہ تیرے سوا
کھیت سوکھ جائے آب دیتا ہے
کیوں رکاوٹ نہ راہ سے دور کروں
لمحہ لمحہ ثواب دیتا ہے

نعت

کیا کہوں کتنی بنی ہے مکرّم آپؐ کی ذات
مختصر یہ کہ ہے فخرِ اُمم آپؐ کی ذات

آفتابِ نبوتؐ جب سے ہوا ہے روشن
لائقِ تعظیم بنی اور مکرّم آپؐ کی ذات

کتنے بھولوں کی ملی ہے آپؐ کے دم سے عزت
خضرِ راہ ثابت ہوئی قدم قدم آپؐ کی ذات

ہے وہ کون جس کو ہوئی آپؐ سے دِل آزاری
بے خطر سہہ گئی آلام وصدم آپؐ کی ذات

آپؐ نبیوں کے نبی اور سراپا رحمت
کیا کروں اور اپنے قلم سے رقم آپؐ کی ذات

ہے بہ مثلِ آفتاب آپؐ کا عکسِ جلال
جیسے پھولوں پر چمکتی شبنم آپؐ کی ذات

اے خدا اُمتِ مسلم پہ رحم ہو تیرا
اور اُمت کے لئے باعثِ غم آپؐ کی ذات

ساری دُنیا پہ تیرے احساں کہ جہالت ہو ختم
سارا عالم معترف کیا عرب و عجم آپؐ کی ذات

آپؐ ہی سالا رِ اُمم اور خُدا کے محبوب
رات بھر محو عبادت متورّم آپؐ کی ذات

بے کسوں ستم زدوں اور غریبوں کے لئے
ہے بنی منبعِ فضل وکرم آپؐ کی ذات

آپ کے حُکم کی تعمیل ہے بس راہِ نجات
بس کہ ہے وجہ سرخروئے عدم آپؐ کی ذات

محمدؐ

پتھر انگارے بن گئے
اژدھا پھنکارنے لگے
چیل اور گِدھ بے گور و کفن لاشوں پر ٹوٹ پڑے
لیکن مردِ آہن کی ایک نظر نے
سب کے منہ بند کر دئے
میرے زخموں سے رِستا ہوا خون بند ہوا
سارے جسم میں تر و تازگی آ گئی
مردِ آہن کی پُکار نے
تڑپتی روح کو بے چین ہونے نہ دیا
پھول کِھل اُٹھے
دریا اُچھل پڑے
اور پھر سے کلی کِھل اُٹھی

کعبۃ اللہ

اللہ کی عظمت کا نشاں ہے کعبہ
باپ بیٹے میں محبت کا نشاں ہے کعبہ
دیکھ اِس بے آب و گیا وادی میں
بندوں پہ عنایت کا نشاں ہے کعبہ
ویراں بے مروّت ماحول صرف تنہائی
بس نظر آیا سخاوت کا نشاں ہے کعبہ
آج بھی تیری آہٹ کی آواز سنائی دی
صفا مروہ کی شہادت کا نشاں ہے کعبہ
کتنا میٹھا ہے زم زم تروتازہ رکھے
سنگ زاروں میں طراوت کا نشاں ہے کعبہ
آزمائش میں اُترنا خلیل اللہ کا
پسر بے لوث کی عظمت کا نشاں ہے کعبہ
کیوں نہ ہو کعبہ میرا قبلہ باذن اللہ
اپنے محبوب کی چاہت کا نشان ہے کعبہ

پہلی ہی نظر میں گم ہو گئے میرے ہوش وحواس
چار سو سجدوں کی شہادت کا نشاں ہے کعبہ

ذات پات اور قبیلوں کی لڑائی ہے ختم
گورے کالے کی قرابت کا نشاں ہے کعبہ

ترکی ہو عجمی ہو ایرانی ہو یا افریقی
بھائی چارے کی علامت کا نشاں ہے کعبہ

ہے سعادت کی علیؓ پیدا ہوئے اس گھر میں
مرحبا کیا بات ولادت کا نشاں ہے کعبہ

معرکہ جب ہوا پیوست ہو حجر اسود
عدل وانصاف کی ساعت کا نشاں ہے کعبہ

رب نے ابراہیمؑ کی ہر بات کو زینت بخشی
بارگاہِ الٰہی میں محبت کا نشاں ہے کعبہ

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

خدا کا گھر جہاں رحمت برستی ہے
لاثانی پیغمبر کی بے مثال مسجد
نور کے فوّارے پھوٹتی پرجلال مسجد
بابِ صدیقؓ سے داخل ہوئے ہزاروں قافلے
پروقار چہروں پر صرف تقویٰ ہی منقش
جبینوں پر سجدوں کے عکس
ریاض الجنۃ کے گرد سنہری آیات
نمازیوں کے زبان پرورد توحید کے کلمات
باب عبدالمجیدؒ خلافت کا آخری نشان
میناروں سے آفتاب کی شعاعوں سے مزیّن چھلکتا نور
اور گنبد خضریٰ بے نظیر عظیم الشان
دیکھا تو یاد آیا

مٹی کا گارہ کاندھوں پر لئے اصحابؓ

یاد آتا ہے ایوب انصاریؓ کا والہانہ استقبال

نئے انقلاب کا آغاز

قیصر وکسریٰ کا زوال

مال واسباب کے دو حصّے کر دوں

ایک اپنے لئے ایک مہاجر بھائی کو دے دوں

کُرۂ ارض پر وقار مسجد

لاثانی پیغمبر کی بے مثال مسجد

مسجد نبوی کا ایک ایک مینار

مسجد نبوی کا ایک ایک ستون

یاد دلاتا ہے اصحاب نبیؐ کا خلوص

اصحاب نبیؐ کا عزم مسلسل

ولولۂ غیر متزلزل

ساتھ رہنا نبیؐ کے ہر پل

دینداری میں مکمل

اور دوست داری میں مکمل

غزل

ایک لمحہ دل کو بہلائے ذرا
درد و غم کو پھر سے ہلکائے ذرا

بے قراری ہوگئی عادت مجھے
دیر سے ہی کیوں نہ وہ آئے ذرا

ہر طرف عالم ہے حزن و یاس کا
زندگی کا جام چھلکائے ذرا

امتحانوں سے گزرتا رات دن
مطمئن ہوں پھر سے پرکھائے ذرا

وہ اگر آئے بہت ہی خوب ہے
میں ہوں خوش قسمت ستم ڈھائے ذرا

جس کو محنت یا مشقت ہو عزیز
سامنے کیوں ہاتھ پھیلائے ذرا

کیوں نہ آئے ایسے ناداں پر ترس
بے تکی باتوں سے بہلائے ذرا

دوست اب فرصت نہیں تو کیا سنوں
کاش وہ میری غزل گائے ذرا

دھوپ نے لائی ہے پھر سے گرم لو
اس تپش میں اَبر سا چھائے ذرا

تیری دل جوئی کا کیا رکھے لحاظ
وہ وہی کرتا ہے جو بھائے ذرا

ہم کو ان کی خوبیوں پر ناز ہے
بھوں چڑا کر پھر سے اِترائے ذرا

اِس میں بھی اپنا مزہ ہے اے فداؔ
دیکھ لوں کِس طرح تڑپائے ذرا

غزل

تابندۂ خیال کی شوخی کِدھر گئی
یک سُو میرے وجود کی حالت بِکھر گئی

سورج کی اِس کرن سے میں شکوہ ہی کیوں کروں
کالی گھٹا میں بھی تیری صورت نِکھر گئی

کتنا بُرا لگا تھا فرشتوں کا اعتراض
یہ ذات ہے عجیب کہ وعدہ مُکر گئی

عیش ونشاط کی گھڑی کب تھی میرے نصیب
اعجاز نگاہ سے میری حالت سُدھر گئی

تونے کہا تھا رازِ محبت رہے گا راز
شیشے میں کس طرح تیری صورت اُتر گئی

رہنے دو بات آج محبت بکاؤ ہے
عہدِ وفا کی وہ مہک جانے کِدھر گئی

تیرے کہے پر آگئے دیوانہ وار ہم
شکرِ خدا خستہ میری حالت سنور گئی

غزل

کیا صلاح دی کہ جوڑا ہوا رشتہ توڑوں
صُلحِ کُل کا یہ بے لاگ ارادہ توڑوں

کون کہتا ہے محبت ہے فقط درسِ وفا
آج دانستہ میں رکھا ہوا وعدہ توڑوں

ایک ہی بات ہے جذبات سے میں کھیلوں گا
آگ مسجد کو لگادوں کہ شِوالہ توڑوں

ہم کو آتا ہے درد وکرب میں رہنا یارو
کیوں نہ بہلاوے کا یہ مِٹّی کا کھِلونا توڑوں

بے پیئے ہم بھی دِن رات مچلتے ہیں
سامنے رکھا ہوا ساغر و مینا توڑوں

پھیکی لگتی ہے اب ہجر کی بات زمانے میں
ہوسکے آج یہ بے ذوق دلاسہ توڑوں

کون سنتا ہے میرے ہمدم تیری آہ وبکا
ہاتھ آہن کا ہے زنجیر کا ہالہ توڑوں

ہم بھی دیکھیں گے تیرا کتنا اِرادہ ہے اٹل
قیدخانے پہ لگا لٹکا ہوا تالا توڑوں

غزل

نظارہ خوب تھا گر ہم بھی رُوبرو ہوتے
بساطِ زیست پر بس محوِ گفتگو ہوتے

طبیبِ حُسن نے ڈھونڈی ہے دردِ دِل کی دوا
ادائے شوق میں مسحور کو بہ کو ہوتے

جس میں کیوں نہ ہوں جُرم وسزا ہے مشترکہ
سزا بھگتنے میں تیار ہو بہو ہوتے

ہمارا شیوہ ہے احسان ، سب پہ وافر ہو
رفیق کیا ہے، میرے سامنے عدو ہوتے

چمن اُداس ہے اور عندلیب بھی خاموش
بہت ہی خوب تھا موجود خوب رُو ہوتے

سزائے موت سنائی گئی مجھے تنہا
تماشہ بین کچہری میں چارسُو ہوتے

گلوں میں رنگ وبو آئے گی لوٹ کر چاہو
یہ ریگ زار قرینے سے آب جُو ہوتے

غزل

ابھی دِیئے میں تھوڑی سی لو باقی ہے
دیکھنا اور مجھے جُستجو باقی ہے

راہِ روشن ہے چمکتے تاروں سے پوچھ
ماہِ کامل چھلکتا خوب رُوباقی ہے

نرم ہوتا ہے اِرادے سے سخت پتھر بھی
میرے شعور میں نیستی ہوبہو باقی ہے

حساب کس نے چُکایا ذرا یہ بتادے ساقی
تیرے کھاتے میں میرا جام وسبو باقی ہے

کاغذی پھولوں سے نبھاتے ہیں خوش آمد کی رسم
بس میرے گُلدستے میں رنگ وبو باقی ہے

لاکھ چہرے کو چھپا دو شرم وحیا کی خاطر
دید حسرت کی فقط آرزو باقی ہے

لوگ جاتے ہیں بدل ، وقت کا تیور دیکھے
میں تو بدلا نہیں وہ پُرانی خوباقی ہے

بچ گئی کیسے میری عزت ، خدا خیر کرے
دوست کی نظروں میں میری آبرو باقی ہے

ہم کہاں جائیں گے ہر طرف ہے سناٹا سا
اور نظارہ دارو رسن چار سُو باقی ہے

غزل

آبروئے کماں پر نظر پڑی اور ہاتھ میں خنجر بھول گیا
میں رازِ حقیقت کیا جانوں ، وہ بات ہی یک سر بھول گیا

احساسِ زیاں کی چالاکی کچھ کام نہ آئی بے باکی
آڑے میں جو آئی ناچاکی ، یادوں کا دفتر بھول گیا

ہم کہنے ہی والے تھے کچھ، پر بے ہوشی میں کچھ کہہ نہ سکے
خول میں کانٹے پتھر کا نکلا ہوا جوہر بھول گیا

پتوار بھی تھی مضبوط میری اور آس لگائے بیٹھا تھا
میں تیز ہوا کو بھول گیا ، لہراتا سمندر بھول گیا

کیا راکھ ہوئی میری کٹیا ، اب خود ہی تماشہ دیکھے ہوں
جلتی ہوئی شمع کو لے کر کمرے میں سو کر بھول گیا

اِس تیز ہوا اور آندھی میں اب کس کو راہ دکھائیں گے
بھول بھلیّوں میں رِہ کر میں اپنا ہی گھر بھول گیا

کیا اپنی قسمت کو روئیں یا داغ ہزیمت کو دھوئیں
اُڑنے ہی والے تھے ہم بھی، پر اُڑنا شہپر بھول گیا

یہ درد نہیں مِٹ نہ پائے یہ درد ہی بڑھتا جائے گا
کہتا تھا حکیمِ حاذق ہوں، پر دینا نشتر بھول گیا

اِس شیش محل کا روشن داں اِس وقت بھی دُشمنِ جاں ہے بنا
ہم سے تو ہوئی ہے نادانی، جھولی میں پتھر بھول گیا

کس کام تیری شوریدہ سری بیکار ہوئی یہ دیدہ وری
ہونٹوں پہ تمہارے مہر لگی ، تم جیسا سُخن ور بھول گیا

غزل

اُٹھایا کس نے چہرے سے نقاب آہستہ آہستہ
کہ جیسے نکلا ہو کالی گھٹا سے آفتاب آہستہ آہستہ

تمہاری خاموشی میں بھی روانی کا طلاطم ہے
سوالوں کا مِلا ہم کو جواب آہستہ آہستہ

بڑی فُرصت سے اِس میخانے کی دہلیز پر آیا
اسی پیالے میں پینے دے شراب آہستہ آہستہ

چمکتی بجلیاں پل بھر گری اوہ پھر اندھیرا ہے
الہڑ دوشیزہ کا نِکھرا شباب آہستہ آہستہ

نہیں سوجھی کوئی ترکیب تیرے داؤ کے آگے
کہ ہم کو لایا ہے زیرِ عتاب آہستہ آہستہ

خزاں کو چاہیے تھا دیر سے آنا میری خاطر
چمن میں کھِل اُٹھا ہے یہ گلاب آہستہ آہستہ

زمیں سے پھوٹتی ہے اِن مرغزاروں کی شادابی
سنبھل کر لوٹئے عالی جناب آہستہ آہستہ

قیامت خیز ہے ہر بات پر یہ روٹھنا تیرا
کہ کر ڈالا میرا خانہ خراب آہستہ آہستہ

قبا کانٹوں سے سینا سیکھ لے اِس فاقہ مستی میں
قدم اس دشت میں رکھیں جناب آہستہ آہستہ

کتابِ زندگی جب ہاتھ میں لی ہوگئے رُسوا
ورق اُلٹے تو اُلٹی ہوگئی ساری کتاب آہستہ آہستہ

میں گِنتی کیا کروں ، کیا ہے بُرائی اور اچھائی
کہ آئے گا کبھی روزِ حساب آہستہ آہستہ

غزل

میرے دِل کا دریچہ کھُلا ہے
یہی تو یار کی صورت اُٹھا ہے
تمہاری نرم خو پھولوں کی ڈالی
میرے بیمار دِل کی دوا ہے
مُسلسل تشنگی عزمِ مُصمم
یہ شے انمول قیمت میں سوا ہے
وہ آئے کیا مگر ہم بے خبر تھے
کوئی کہہ دے کہ میری کیا خطا ہے
ہوئی ہے کم تیری شعلہ بیانی
دکھاوا ہوگیا ناز و ادا ہے
رُخِ انور کی تابانی سلامت
یہ جسمِ ناتواں بھی اَدھ جلا ہے

میری فطرت میں ہے اجزائے ترتیب
یہ خاک و آگ پانی میں مِلا ہے

ہوا ہے گُل لپکتا شعلہ جیسے
تیرے ظلم و سِتم کے زیرِ پا ہے

خدا رکھے تمہیں ہر دم سلامت
جنہیں کوئی نہیں اُن کا خدا ہے

ثریا بن کے آجائیں زمیں پر
ہمیشہ بس یہی میری دعا ہے

سِتم کرتے رہو سہتے رہیں گے
اِسی نکتۂ نظر پر اکتفا ہے

فدا نازاں تیری رنگینیوں پر
چمن کا پھول شبنم سے دُھلا ہے

غزل

میرے شعلے کو پھر شبنم بنانا
ہر اِک جُنبش کو اپنا غم بنانا

ترس آئے میری بیچارگی پر
فصیلِ قید کو پیہم بنانا

کوئی کہہ دے نہ کچھ اپنی زباں سے
یہی فکر و نظر ہر دم بنانا

حیاتِ جاوداں کس کام آئے
میری تریاق کو پُر سم بنانا

ہوا غائب تمہارے سر سے آنچل
قبائے یار کو پرچم بنانا

ہوئے ہیں خشک اِس وادی کے دریا
برس کالی گھٹا رِم جھِم بنانا

مزا آتا نہیں اِس چاندنی کا
شبِ تاریک کو پُر نم بنانا

تناور قد پہ برسے خُم کی بارش
مجھے کیا چاہیے پرخم بنانا

غزل

محفل میں یار کی تو ہم ہی مسترد ہوئے
گنتی میں محو ہوگئے اور بے عدد ہوئے

کوسوں ہو ایں دور سخاوت تھا اِک فریب
شرمندگی کا کاسہ لئے منفرد ہوئے

گمنام تھا پر تشنگی سے ہوگیا مشہور
بدنامِ زمانہ ہوئے اور تاابد ہوئے

میں بھی خیالِ خام سے اِس رَو میں بہہ گیا
اس کام میں شامل تو سبھی نیک وبد ہوئے

سوچا تھا پھر سے آج بغاوت شروع کروں
کھاتے میرے اصول کے سب منجمد ہوئے

وابستہ ہوں جو آپ سے پہچان بن گئی
تھوڑے سے غم میرے تھے وہ بھی سروقد ہوئے

اِک نکتہ نرالا تھا میری بات میں پنہاں
کیا تھی میری خطا کہ تجاویز رد ہوئے

وہ طفلِ نوجواں ہُنر نہ دِکھا سکا
جذبات تو گرم تھے نہ جانے سرد ہوئے

وہ سر قلم ہوئے مگر سر نہ جھکا سکے
میدانِ کارزار میں ایسے مرد ہوئے

غزل

آشیانے کو جلایا تو بہت خوب کیا
دردِ دِل کو ہی مٹایا تو بہت خوب کیا

زندگی کتنی ہے کہ گزر جائے شکایت میں
جانِ جاں تجھ کو بھلایا تو بہت خوب کیا

نیند آتی نہیں کوئی بھی قصہ سُن کر
قِصّہء غم تم نے سُنایا تو بہت خوب کیا

مرنے کے بعد لِکھو گے مراثی میرا
جیتے جی خوب ستایا تو بہت خوب کیا

میری آشفتہ سری بیکار ہوئی ہے ثابت
راہِ منزل نہ دکھایا تو بہت خوب کیا

کچھ نہ سمجھے کہ گزاریں دِن اچھے
ایسا گُر بھی نہ سِکھایا تو بہت خوب کیا

ہم زمانے میں رہے تنہا ہوکر
بات کو بھی نہ بنایا تو بہت خوب کیا

جانتے ہم بھی تھے اِس شہر کا دستورِ عمل
باتوں باتوں سے لُبھایا تو بہت خوب کیا

ناؤ دریا میں تھی لگ جاتے کنارے کیسے
تونے پتوار ڈبویا تو بہت خوب کیا

جب تیرے ہاتھ میں شمشیر برہنہ نکلی
میں کہا خیر خدایا تو بہت خوب کیا

میں نے جوڑا ہے فقط رنج والم سے ناطہ
غم کو سینے سے لگایا تو بہت خوب کیا

دیرپا کب رہا ان سے میرا مِلنا جُلنا
اپنی شوخی سے نہ باز آیا بہت خوب کیا

یہ غلط فہمی کہ خطا ہوگا نشانہ تیرا
سیدھ میں تیر چلایا تو بہت خوب کیا

کچھ نہ ہم جان سکے پہچان سکے ہیں تم کو
وقفے وقفے سے رُلایا تو بہت خوب کیا

غزل

ہائے بے گور و کفن لاش پڑی ہے لوگو
پہرہ دیتی ہے یہ ظالم فوج کھڑی ہے لوگو

کس نے یہ موت کا دروازہ کھُلا رکھا ہے
نالے میں آج بھی اِک لاش سڑی ہے لوگو

والئی شہر کا کیا حال ہے مجھ سے مت پوچھ
یہ جماعت قتل کرنے پہ اڑی ہے لوگو

آج بھی اِک معصوم ہوا قتل اغوا کے بعد
خون میں یونہی حرارت نہ چڑھی ہے لوگو

پابہ جولاں ہوں زباں بند، خدا خیر کرے
آزمائش کی بڑی سخت گھڑی ہے لوگو

ہوں تہی دست شکنجے میں پھنسا ایک ضعیف
درد اور کرب کی اِک اور کڑی ہے لوگو

خوں بہا کا تقاضہ نہیں اچھا ردِّ عمل
بھینس تو بھاری ہے، پر عقل بڑی ہے لوگو

رِستے زخموں کا درد کیا جانے سیاست کار
اِن کی آنکھوں میں ابھی دھول پڑی ہے لوگو

غزل

ہم بھی اس شہر میں وعدوں کا تقاضا کرتے
کس کو فُرصت ہے کہ زخموں کا مداوا کرتے

جانے اِس شور سے میں کیوں گھبراتا ہوں
وشتِ تنہائی میں رہنے کا ارادہ کرتے

کاٹ دے نَس نَس کو نہ دیکھوں دُنیا
ہائے اِس شوق کا اِک بار اعادہ کرتے

ہے خبر رونقِ بازار سے ہے سود وزیاں
نفع نہ سہی تو گھاٹے کا ہی سودا کرتے

وعدہ کرتے رہے اِک بار کرو اور سہی
ٹوٹ جائے گا اگر یہ بھی تو دوبارہ کرتے

راز کھل جائے گا تو ٹھیک سے اِسے سہنا
کیا ہی اچھا تھا کہ غمزوں سے اشارہ کرتے

بے قراریٔ دِل کو نہ کرتو گناہ سے تعبیر
اِن گناہوں میں مجھے غرق سراپا کرتے

ان کی نیت پہ بھروسہ نہیں موسم کی طرح
مجھ سے اک بار وہ ملنے کی تمنا کرتے

غزل

جلا ہے دِل تو انگارا کہاں ہے
دلِ بے چیں کا دِل مارا کہاں ہے

جواں جو ہوگیا سُن سُن کے لوری
وہ ماں کی آنکھ کا تارا کہاں ہے

جو تھا محتاج پھر دستِ کرم کا
وہ ڈوبا غم میں بے چارا کہاں ہے

زہر آلودہ پانی اور میری پیاس
یہ پانی ہوگیا کھارا کہاں ہے

ہے عبرت ناک اِس دنیا کی صورت
سکندر اور وہ دارا کہاں ہے

میری رگ رگ میں ہے اب رقصِ بسمل
لہو کا تیز پھوارا کہاں ہے

جو خنجر آزمائے ناتواں پر
وہ بازی مار کر ہارا کہاں ہے

چلن بندوق کا اب ہوگیا ہے
نہ نظمِ ظلم ناکارا کہاں ہے

غزل

دیکھ لو ہر طرف چھائی یہ ویرانی ہے
آج بھی سامنے شبِ غم کی طولانی ہے

چاند نکلا کہیں راہِ نظر آئے
اَبر آلودہ ہے گردوں، رات بھی طوفانی ہے

تحفہ کیا پیش کروں، یا دردِ دِل پیش کروں
جان ہی پیش کروں وہ بھی اِک دِن جانی ہے

ہم سے تم اگر تقاضا بھی کروگے تو کس کا
خون نکلا ہی نہیں یہ جسم فقط پانی ہے

میرے احوال سے کیا ہے تُجھے لینا دینا
چھیتھڑے پُرزوں پہ مرقوم کہانی ہے

داغ اتنے ہیں کہ چمن بھول گیا رنگینی
میرے ہونٹوں سے ٹپکتی بے سروسامانی ہے

ہم کو معلوم ہے دُنیا کی حقیقت واعظ
میرے مضبوط ارادوں کا شہر لافانی ہے

نظر آتے ہیں انسان دردِ دِل سے خالی
اب قدم اُٹھتے نہیں ہر طرف پریشانی ہے

زندگی بھی عجب چیز ہے ملتی اِک بار
بار بار ان کو ستانا بھی پشیمانی ہے

دیو قامت ہوں مگر ان کی محبت سے چوُر
سامنے ہاری ہوئی اِک خستہ جوانی ہے

غزل

وہ نہ آئے تو جنازے کو رُکائے رکھنا
کچھ نہ دیکھے، میرے چہرے کو چھپائے رکھنا

مجھ کو بس اِک تمنا ہے جنابِ عالی
تم ہو بے باک ہمیشہ سر کو اُٹھائے رکھنا

منہ نہ کھولو کوئی بات نکل آئے گی
زور سے منہ پہ انگلی کو دبائے رکھنا

تجھ کو آئے گی نظر اصل میں اپنی صورت
اپنے چہرے کی طرف آئینہ تھمائے رکھنا

شہر ویران ہے اور چراغاں کون کرے
ایک مٹی کا دِیا پھر بھی جلائے رکھنا

کیا پتہ آئے بہار اور گُل کی مہک ہو غائب
کاغذی پھول سے آنگن کی سجائے رکھنا

ہیں عناوین بہت غم کے میری یادوں میں
غم و اندوہ کی یہ فہرست چھپائے رکھنا

صورتیں تُو بھی بدل گرگٹ کی طرح
ایک چہرے پہ نیا چہرہ لگائے رکھنا

اب تو میں بھول گیا ہوں تیرا چہرۂ انور
ایک پل کے لئے چلمن کو اُٹھائے رکھنا

وہ اُلجھتے ہیں سوالوں میں خدا خیر کرے
باتوں باتوں میں میری بات بنائے رکھنا

وہ شبِ غم میں شریکِ غم نہیں رہتا لیکن
داستاں وہ بھی سُنے اُن کو جگائے رکھنا

بار بار اُن سے کہا تھا کہ مجھے معاف کرو
شیوۂ یار ہے ہر بار ستائے رکھنا

جیتے جی ہم بھی ذرا اپنے جنوں کو دیکھیں
تھوڑی دیر اور سہی دار بنائے رکھنا

دفعتاً یوں بھی اگر ہوگی مُلاقات نصیب
یاد رکھنا کہ شکایات بُھلائے رکھنا

ایک دھوکا ہے تیرے عہد ووفا کی تجدید
صبر کی بات ہے جذبات دبائے رکھنا

یہ جو مُرجھی ہوئی کلیاں تیرا حق ہے ان پر
اُن کو سیراب کرو آنسو کو بہائے رکھنا

مُلک اور قوم ہوئی ہے خستہ زبوں حالی سے
ایسے ملک میں پرچم کو اُٹھائے رکھنا

تیری غیرت میں حرارت کی تپش باقی ہے
کیوں ہوا سرد لہوگرم جلائے رکھنا

گولیاں اولوں کی طرح برسیں، میں بچ نکلا
فرصتِ زندگی ساقی ہوتو پلائے رکھنا

شہر میں پھر سے شرارت کی خبر آئی ہے
طفلِ نادان کو سینے سے لگائے رکھنا

غزل

ظلم وا ہوا ہے قیامت کا زور ہے یارو
ادائے سرقلم بھی زیرِ غور ہے یارو
وہ قتل کرنے کے بعد بھی جیل سے چھوٹا
نگاہِ عدل پہ ہر طرف شور ہے یارو
میری سرشت میں آیا کہاں سے یہ بارود
امن سے دؤر پُر آشوب دَور ہے یارو
گئے وہ دِن کرتے تھے اعتبار اُن کا
یہاں کا پارسا خصلت میں چور ہے یارو
نظر کی وسعتیں دیتی ہیں اصلیت کا سُراغ
گلہ نہیں کہ اک بدچلن مامور ہے یارو

قدم قدم پہ نظر آئے ہیں صرف رہزن
یہی وجہ اسی بستی میں ظلم و جور ہے یارو

سفارشوں کی نذر ہوگیا ہے میرا شعور
قضاء وقدر کا مالک بھی رشوت خور ہے یارو

قصوروار تو بے خوف گھومتا ہے اِدھر
لگائی ہتھکڑی معصوم کو کچھ وجہ اور ہے یارو

گیا ہے دیر سے پر کچھ خبر نہیں اُن کی
نشاطِ عیش میں اس وقت شرابور ہے یارو

غزل

دغا بازوں کی زیرِ سرپرستی ہے شہر میرا
سفاکوں اور چالاکوں کی بستی ہے شہر میرا

لگی ہے ہتھکڑی اُن سرفروشوں کے ہاتھوں میں
شریفوں اور وضع داروں کی بستی ہے شہر میرا

نہ جانے اب بھی کتنے لوگ پابندِ سلاسل ہیں
کمینوں کی فقط بالائے دستی ہے شہر میرا

نہیں کوئی بچا اِس آگ و آہن کے جھمیلے میں
کہ کشتۂ خون اور نفرت پرستی ہے شہرمیرا

جہاں بندوق کے منہ کھُل گئے معصوم لوگوں پر
یہاں تیزاب کی بارش برستی ہے شہر میرا

نہیں لگتا ہے جی اپنے گھروں میں قید ہیں گویا
کسے کہہ دوں عروجِ تنگ دستی ہے شہر میرا

کہیں آوارگی ہے اور کہیں بے چارگی آڑے
نہیں ہو بال بے کا وہ گرہستی ہے شہر میرا

مجھے خانہ بدوشوں کی لگی آوارگی اچھی
بنا آماجگاہ ہے فاقہ مستی ہے شہر میرا

بنے گا پھر یہ امن و آشتی کا ایک گہوارہ
غنیمت ہے نشانِ حق پرستی ہے شہر میرا

خدا کے واسطے لے جاؤ دوشیزہ حفاظت میں
رہا کیا اب سوائے زبردستی ہے شہر میرا

نہیں اپنا اِدھر خطرے سے خالی دوست کہتا کیوں
پتہ ہے ایک ناگن جیسے ڈستی ہے شہر میرا

غزل

تعمیلِ حکم آج موجل نہ ہوسکا
وارفتگی تھی دید کے قابل نہ ہوسکا

ہم نے ادائے شوق میں ہاری تھی زندگی
مقصدحیات کا مجھے حاصل نہ ہوسکا

میں طائرِ بے بال وپر دیکھے ہی رہ گیا
افسوس کاروان میں شامل نہ ہوسکا

چاہو تو لاکھ کچھ نہیں بدلی میری طینت
اتنا جو دُور تھا مگر بد دِل نہ ہوسکا

یہ جانتے ہوئے بھی ارادہ ہے خوب تر
میرا خیال مقصدِ منزل نہ ہوسکا

آئی تھی تیوروں میں کچھ تبدیلیاں ضرور
یہ جان کر بھی زینتِ محفل نہ ہوسکا

ہوتا یہ فردِ جُرم کسی اور پہ عائد
انصاف کیا کروں کہ میں عادل نہ ہوسکا

باقی نہیں ہے تیرے خیالوں میں وہ رمق
نقش ونگار پر تیرے مائل نہ ہوسکا

آزادیٔ خیال پر نازاں ہوا دیکھئے
سوچا کبھی پابندِ سلاسل نہ ہوسکا

غزل

آج اخبار میں پھر یہ سُرخی چھائی
موت بے چارے کو اِس شہر میں کیسے آئی

فوج نے چیرا ہے جواں کا چہرہ
دیکھئے لوگوں میں پھر دہشت پھیلائی

خرمنِ امن میں کیسی لگی چنگاری ہے
بھائی نالاں ہے اور اس سے جُدا ہے بھائی

میرے اِس شہر کے سارے نظارے خاموش
کیا تماشہ دیکھے ہے جیسے خاموش خدائی

ہیں حفاظت میں تیرے اتنے محافظ لیکن
ہے زباں بند مفقود سخن آرائی

ہوگیا کارِ مسیحا بھی یہاں معدوم
کشمکش میں کسی معصوم نے جان گنوائی

لوگ آج پریشان ہیں قریہ قریہ
دفعتاً ایک آفت ہے اُتر آئی

ساتھ خنجر تھا کسی نے بولا ہلّہ
عید آئی تھی ان کو مگر عید نہیں آئی

نذرِ آتش ہوئے آج غریبوں کے گھر
کون کہتا ہے کسی نے راحت پائی

ہے سیاست کا رفقط اپنی ادا میں مشغول
کچھ بچا بھی ہے اگر تو وہ کھا گئی مہنگائی

غزل

جانے کیوں ان کو میری بات بُری لگتی ہے
ہم اگر عرض کریں ان کو کھری لگتی ہے

تیشے سے پہلے ہی میرا آئینہ چوُر ہوا
نوکِ خنجر آزما سپاہ گری لگتی ہے

عکسِ پرتو سے ہی میرا چمن آباد ہوا
تیرا اندازِ تکلّم دیدہ وری لگتی ہے

ان کی آہٹ مجھے لگتی ہے ہوا سے ہلکی
زادِ آدم نہ کہو یہ تو پری لگتی ہے

داغ زندہ ہوئے سینے میں جو پڑی ایک نظر
سِمِ قاتل کی نہ کرو بات چھُری لگتی ہے

آج پھر سے ہوا جاری ہے نہ آنے کا چلن
روح کی بات اور ہے جسم مری لگتی ہے

کچھ نہیں یاد ذہن میں سِتم کی گِنتی
دیکھی آئینے میں صورت ہی ڈری لگتی ہے

ان کے آنے سے بدلتا ہے محفل کا مزاج
لائے تشریف تو مجلس بھی ہری لگتی ہے

حالِ دِل کیا میں سُناؤں گا سحر ہونے تک
تیری بیتی بھی مصیبت سے بھری لگتی ہے

غزل

بے وجہ روٹھ گیا سوچا تھا مناؤں کیسے
ٹھیک ہے اِن سے مِلوں پر آنکھ ملاؤں کیسے

چہرہ کافی ہے میرا حال سُنانے کے لئے
چاند بھی کہتا ہے کہ داغ چھپاؤں کیسے

وہ شناور ہے بہت ان کی نظر ہے گہری
کاغذی پھول سے راہوں کو سجاؤں کیسے

بار بار آتا ہے میرے ذہن میں بس ایک سوال
دردِ دِل اس نے دیا تو اس کو بھلاؤں کیسے

نہ ہوئی صُلح ، نہ صفائی کا بنا کچھ چارہ
ایسے حالات کی تمہید سناؤں کیسے

کچھ نہ سمجھا تھا اشارہ نہیں یارا مجھ میں
آسماں سے یہ ستارے توڑ کے لاؤں کیسے

گُفتگو کرنا سمجھنا بھی بہت مشکل ہے
آنکھ اُٹھتی ہی نہیں اب آنکھ ملاؤں کیسے

غزل

اُن سے ہوئی ہے ایک مُلاقات دفعتاً
ہم کو ملی ہے بے وجہ سوغات دفعتاً

اب کے برس عجیب اتفاق ہوگیا
کرتے رہے کلام وہ دِن رات دفعتاً

نہ متاثر ہوئے تیرے طرزِ فغاں سے ہم
نکلی جو اُن کے منہ سے وہی بات دفعتاً

ہر راز اب اِک راز ہی رہنا محال ہے
لوگوں نے پھر اُٹھائے سوالات دفعتاً

میں معترض ہوں میرا عقیدہ ہے بغاوت
مجروح کر دیئے میرے جذبات دفعتاً

جب تک نہ ہو ضمیر کی اِک بار سرزنش
کیا پھر بدل جائیں گے یہ عادات دفعتاً

ماضی کا مقولہ ہے کہ دنیا بہت بڑی
چھوٹی جو ہوگئی ہے کائنات دفعتاً

بے چارگی ہے اب بھی غریبوں کے ساتھ ساتھ
لکھی جو شق آئیں میں مساوات دفعتاً

نکلی جو حق کی بات تو وہ خشم گیں ہوئے
پیدا ہوئے ہیں آج بھی شبہات دفعتا

غزل

تم کیوں چلو گے برہنہ پا رہ میں پڑی ہے آگ
جاری ہے آگے معرکہ پیچھے پڑی ہے آگ

آیا ہے زمانہ نیا اور ہیں نئے اصول
شرم و حیا کے نور محل میں اُٹھی ہے آگ

حیران ہوں ہر بات کا اُلٹا اثر ہوا
ان بارشوں میں جانے کیوں پھر بھی جلی ہے آگ

سوچے تھے ہم بہت مگر برتے تھے احتیاط
سودائے خام ہوگیا ہم کو ملی ہے آگ

کھُل جائیں گے کتابِ حقیقت کے مضامین
اِن شعلہ ہا کو دیکھ کے جیسے کھلی ہے آگ

شعلوں کا عکس پڑ گیا چہرے پہ تیرے دیکھ
شبنم گری گلاب سے کتنی ڈھلی ہے آگ

میں شعلہ زن ہوں لپکے ہے شعلۂ میرا لباس
کچھ نہ بجھا سکو گے کہ دِل میں لگی ہے آگ

آئے جو سامنے تو بتادوں گا حقیقت
کتنی ہی بد لحاظ کتنی من چلی ہے آگ

محتاجِ اشارہ نہیں سُرعت کا ہوں پابند
اِک پَل میں سارے شہر کو دیکھو لگی ہے آگ

صحبت ہوائے گُل کو ملی ہے تپش سے دیکھ
اس باغ کی ہر اک کلی اور پھُل جڑی ہے آگ

کچھ کام بنا ہی نہیں سوچا تھا کچھ کروں
میں برہنہ پا ہوں چار سُو بکھری پڑی ہے آگ

غزل

اِک دھماکہ ہوگیا میرا کلیجہ پھٹ گیا
لوگ نکلے تھے کہ لوگوں کا توجہ ہٹ گیا

پہلے سمجھے چاند نکلا پھر سے پردۂ اَبر سے
کیا پتہ اس میں اچانک ایک بادل پھٹ گیا

ناتوانی دیکھ کر یاد آیا کہ لمحہ شباب
یہ تو لمحہ چل دیا، میری عمر سے گھٹ گیا

دیر سے آئے وہ آئے ٹھیک ہے معلوم ہے
ہے قریب آئی بہار، منحوس بادل چھٹ گیا

ہم کہیں وہ نہ سُنیں فکر و عمل کا معاملہ
اعتبار ان پر کیا تھا دھیرے دھیرے گھٹ گیا

حوصلہ موجود اور خود اعتمادی ہو قریب
ایسا ہی ایک شخص اپنے حوصلے پر ڈٹ گیا

دوڑ تھی انعام تھا بس جیتنے کی چاہ تھی
برق پالے کر سمندِ ناز پر سرپٹ گیا

کچھ نہیں ہم کو گلہ بے حال اور بے ہوش تھے
وہ تو دن کی روشنی میں دیکھے دیکھے لُٹ گیا

زندگی پھر سے ہوئی ہے آزمائش کی شکار
رِیت ایسی ہی چلی ہر کام میں پھر جُٹ گیا

ایک دِن ہم کو مِلے گی اپنی اِس جُرأت کی داد
دار کو دیکھے ہوئے بھی یار کی چوکھٹ گیا

بے مروّت ساری دنیا ہوگئی ہے دیکھ لے
برق رفتاری سے گویا سارا عالم بٹ گیا

بے خبر ہم تھے مگر آیا وہ بجلی کی طرح
ایک ہی پل میں ہماری ساری رونق چٹ گیا

غزل

نصیب جو آئی تیری صبح وشام کی قربت
مجھے تو ہوگئی حبسِ دوام کی قُربت

روشنی اگر گُل ہوئی تو کیا غم ہے
مِلی ہے اب مجھے ماہِ تمام کی قُربت

کیا جو توبہ تو سب گُناہ معاف ہوئے
مِلی ہے اب مجھے دارالسلام کی قُربت

نہ تخت چاہیے اور نہ تاج سرپہ ہے
نصیب جب سے ہوئی خاص وعام کی قُربت

سبھی مصروفِ عمل ہیں کسی کو کیا کہیے
نہیں ہے معجزے سے کم کلام کی قُربت

وہ جب سے ہو گئے برہم تو کیا رہا باقی
بہت عجیب لگی ان کے نام کی قُربت

رقیب نے جو کیا کام پل میں سب بدلا
نہیں اب فائدہ دے گی انعام کی قُربت

اگر نہ ہو ساقی ہمارے فیصلے میں شریک
نہ کوئی اثر دکھائے گا جام کی قُربت

غزل

اس گاؤں میں جب مجھ کو دکھائے گئے یتیم
ہر سمت دیکھتا ہوں تو لائے گئے یتیم

اِک نوکِ خنجر کی طرح ہر غنچۂ گلاب
روتا ہوں آج کتنے بنائے گئے یتیم

جب مدعیانِ امن سے پوچھا تھا ماجرا
دیکھا تو قطاروں میں سجائے گئے یتیم

تعلیم و تربیت ہے فقط ایک بہانہ
دانش کدہ میں روز اُٹھائے گئے یتیم

اب تو سکونِ دِل میرا کافور ہوگیا
جب داستانِ ظلم سنائے گئے یتیم

سودے میں مقدم ہے صرف فائدے کی بات
ہے المیہ ہر بار رُلائے گئے یتیم

زیرِ نظر جب خون بہا کا معاملہ آیا
یک جُنبشِ قلم میں بھلائے گئے یتیم

اِس جنگ میں تو منتظم نے پیٹ بھر دیا
بے کھائے پیئے ہی جو سُلائے گئے یتیم

ہو سُرخ سراپا قلم اور صفحۂ قرطاس
بس خون کی ندی میں نہائے گئے یتیم

غزل

گُل کے بغیر لگتا ہے اُجڑا چمن عجیب
بُلبُل اُداس ہوگئی اور انجمن عجیب

اب کے برس بہار میں رعنائیاں ختم
کانٹا وہی تو تھا مگر اُس کی چُبھن عجیب

ہوں بے خبر مجنوں کی طرح کچھ نہیں معلوم
پہنے جو تار تار لگا پیرہن عجیب

کچھ بھی نہیں غلط جسے وہ مانتا صحیح
اس کو کہیں دیوانہ پن یا فکر وفن عجیب

ہر بات میں ادائی اور ہنت نئے اصول
اب آفتاب سے بھی ہے ملتی کرن عجیب

ملبوسِ قیصری بھی جو پہنوں تو کیا ملے
دیکھے رقیب ہوتی ہے اس کو جلن عجیب

سعی و عمل کا منتظر ہے آج کا انسان
لگتی ہے جوئے شیر بھی اور کوہ کن عجیب

ہے سوزِ محبت کا اُبلتا ہوا لاوا
وہ شعلہ پا عجیب ، ہے غنچہ دہن عجیب

طائر میں نہ پھُدک ہے، نہ اُڑنے میں وہ تیزی
باغ و بہار بھی الگ سر و سُمن عجیب

کوئی نہ فِکر و آگہی کی بات سنادے
میرے وطن میں آ گیا کیسا چلن عجیب

بے خوف و خطر کھُل کے کروں بات ذرا سُن
صدق و صفا سے ہوگیا میرا سُخن عجیب

غزل

سنگِ خارہ کو چھوا سنگِ ستارا ہو گیا
آج پھر اِک راز سے میں آشکارا ہو گیا

پوچھئے مت میری آشفتہ نوائی کا یہ حال
درد تھامے تھے جگر ہی پارہ پارہ ہو گیا

ہم نے سوچا تھا کھلیں گے گُل، بہار آئے گی
ایک ہی جھٹکے میں ملیا میٹ سارا ہو گیا

تھوڑی سی یہ مینہہ بنی میرے لئے طوفانِ نوح
جیسے کشتی سے الگ گویا کنارا ہو گیا

بس یہ سوچا تھا ملِے ہم کو ہوائے معتدل
کیا کریں اپنی تپش سے بھی وہ حارا ہو گیا

ان شعاعوں نے پہاڑوں کو کیا چاندی بدن
وادیوں میں بھول کر محو نظارا ہو گیا

غزل

سر اُٹھائے بھی نہ تھے اس نے چلایا پتھر
ہم بھی مجبور ہوئے ہاتھوں میں اٹھایا پتھر

وہ تو مرنے کے بعد بھی پتھر دِل نکلا
لحد پر ان کے گیا تو نظر آیا پتھر

جانے کیوں آج وہ مہربان اتنا ہے
پھینکنے والا ہی تھا دامن میں چھپایا پتھر

بات پتھر کی سمجھتا ہے کوئی انسانوں میں
چُن کے دِل میں میرے اس نے لگایا پتھر

مول سونے کا نہیں اس کی باتوں میں ہے
دفعتاً اس کے زیور سے چمک آیا پتھر

میں تو اک خاک کا پُتلا وہ لپکتا شعلہ
آگ و آہن کے اسی کھیل میں ڈھایا پتھر

اب وہ من مانی پہ اتنا اُتر آیا ہے
بے اثر نالہ فغاں دِل کو بنایا پتھر

بہت مُشکل ہے سمجھنا کہ حقیقت کیا ہے
ہم تو سمجھے کہ وہ جوہر ہے، نکل آیا پتھر

تیری صورت کی طرح خوب بنا تاج محل
اس لئے بارہا میرے دِل کو لبھایا پتھر

آج تک کسی پتھر نے کوئی بات نہیں کہہ ڈالی
کیوں نہ بندوں کو سمجھ آیا خدایا پتھر

غزل

کیا وضع دار ڈالیاں لی ہیں
پیار اُلفت کی جھالیاں لی ہیں

زیست کی اس بساط پر میں نے
آخری بار سسکیاں لی ہیں

پھول ، شبنم ، گلاب اور سبزہ
اپنی جھولی میں تتلیاں لی ہیں

میرے کھلیان کھیت ہیں ویران
گرم بارش اور آندھیاں لی ہیں

ہے یہ سودا عجیب اے ہمدم
ہم نے گردوں سے بجلیاں لی ہیں

وہ تو کھائے ثمر نوازش ہے
بدلے میں ہم نے گٹھلیاں لی ہیں

غزل

سچ بات کہوں تو جلتے ہیں
در عیاری کے کھُلتے ہیں

لوگوں پہ بھروسہ مت کرنا
موسم کی طرح یہ بدلتے ہیں

اپنی عزت ہے اپنے ہاتھ
پگڑی ہر بار اُچھلتے ہیں

یہ تیری قناعت کیا جانیں
وہ سیم و زر کو نگلتے ہیں

زخموں کا مداوا کون کرے
لوگوں کے خون پہ پلتے ہیں

اب شام ہوا ہے میرا وطن
کیا پھول چمن میں کھلتے ہیں

جو رکھے خلوص کا یارانہ
وہ دوست کہاں اب ملتے ہیں

سوچا تھا غیر تو غیر ہی تھا
اپنے بھی ہم سے جلتے ہیں

دیکھا ہے جیسے پھر مقتل
جب کوچۂ یار ٹہلتے ہیں

غزل

بادِ بہار لائی ہے خوش بوئے مسیحا

تپتا ہوا بخار بدن سے اُتر گیا

سُستا ہو قیمتی ہو کفن، تو کفن ہی ہے

ملبوس طرحدار میری تن سے اُتر گیا

اب سادگی کا مول کہیں پر نہیں تو ہے

اور وہ خلوص دادِ سخن سے اُتر گیا

جیسے برف کا تودا پھسلتا ہے دفعتاً

بے ساختہ وہ کوہِ دمن سے اُتر گیا

نہ نکہت گل ہے نہ بُلبُل کا چہکنا

وہ شوخی خمار چمن اُتر گیا

غزل

ہمیں میں کچھ کمی ہے وہ نہ آتے ہیں
یہی ہے اُن کا شیوہ دل دکھاتے ہیں

یہ دعوت نامۂ مشروط بھیجا ہے
گھروں میں بیٹھنا بہتر بتاتے ہیں

وباء آئی ہے ایسی بے مروّت
بہ خاموشی دفن یا پھر جلاتے ہیں

میرا محبوب کیسا ہوگیا ہے
نہ ہی اظہار اور نہ کچھ بتاتے ہیں

شبِ غم اور وصالِ یار دھوکا
ہم اُن دونوں کا اب ماتم مناتے ہیں

یہ دُنیا اب سمٹ کر رِہ گئی ہے
جہاں جاؤں صرف مجھ کو ستاتے ہیں

غزل

آؤ دنیا کو خیر بات کہیں
لوگ مرنے پہ زندہ باد کہیں

ادبی سرقہ بھی اِک معمہ ہے
بس کہ تخلیق طبع زاد کہیں

آج کل ہم کو کچھ نہیں معلوم
چہرہ مغموم پھر بھی شاد کہیں

ہم بُرائی میں سب سے آگے ہیں
کیوں نہ اپنے کو قومِ عاد کہیں

لاکھ کوشش پہ ہم رہے تشنہ
ہم جو لوٹے بے مراد کہیں

میری باتوں کا کچھ نہیں معنی
کچھ تو اشعار قابلِ داد کہیں

غزل

غم واندوہ کی گھڑیوں میں محکم دل کو پاتا ہوں
تمہاری یاد جب آتی تو سب کچھ بھول جاتا ہوں
کسی سے کیوں کروں دست سوال توہینِ عزّت ہے
تمہارے نام پر کاسۂ گدائی پھر اُٹھاتا ہوں
کوئی لمحہ نہیں جب ذکر تیرا بس صرف تیرا
لبوں پر ہر وقت تیرے ہی نغمے گنگناتا ہوں
نہ جانے ہر قدم پر کیوں مجھے ہی ٹوکتے ہو تم
یہی انصاف ہے یہ دل لگی گھاٹے میں پاتا ہوں
یہاں تو بات پیسوں کے بناء چلتی نہیں یارو
یہ اپنی داستاں خود غرض لوگوں کو سناتا ہوں
نہیں اب بزم سازی اور نہ ہوں گی پھر ملاقاتیں
مجھے تو زندہ رہنا ہے تو اپنا منہ چھپاتا ہوں

ضروری ہے میں اپنے ہاتھ بھی دھوتا ہوں صابن سے
مجھے تو فاصلہ چاہے کہ دو فٹ دور جاتا ہوں

ختم اب ہوگئے ہیں یہ فراق و وصل کے قصّے
میں انٹرنیٹ سے محفل کو طریقے سے سجاتا ہوں

جہاں دنیا سمٹ کر ہوگئی ہے ایک گاؤں سا
میں گھڑ لیتا ہوں باتوں کو حسین قصّے بناتا ہوں

کتابیں ہوگئیں الماریوں میں گرد آلودہ
ورق گردانیوں میں بھی کسی کو اب نہ پاتا ہوں

غزل

سچ بات کہوں تو جلتے ہیں
در عیّاری کے کھلتے ہیں

لوگوں پہ بھروسہ مت کرنا
موسم کی طرح یہ بدلتے ہیں

اپنی عزت ہے اپنے ہاتھ
بس اپنا ہی دم بھرتے ہیں

یہ تیری قناعت کیا جانیں
وہ سیم اور زر کو نگلتے ہیں

زخموں کا مرہم کون کرے
اور ساتھ نمکداں ملتے ہیں

اب شام ہوا ہے میرا وطن
بارود چمن میں کھلتے ہیں

جن کو سمجھا تھا توانسان
وہ مجھ کو دیکھ کے جلتے ہیں

میں آبلہ پا اور سہا ہوا
پھر کوئے یار ٹہلتے ہیں

غزل

یہ وعدہ تھا کہ گویا تھا سیاست دان کا وعدہ
کہ جیسے ہو کسی اولاد نا فرمان کا وعدہ

مجھے اس شہر کے ہر چیز میں دھوکہ نظر آیا
نہ دوں گا جسم کا وعدہ نہ اپنی جان کا وعدہ

شیئر بازار میں گم ہو گئے ہو اس طرح اے دوست
تم اُس کو جان لو ہے یہ فقط نقصان کا وعدہ

اگر تم جانتے کیا رو چلی بازارِ اُلفت میں
ہے کرنا اس طرح بے ہودگی سامان کا وعدہ

تیرے آنے سے گویا سوکھے پتّوں میں بہار آئی
کہ جیسے گرم لُو میں رحمتِ باران کا وعدہ

میں پھر آؤں گا ملنے دی اگر اللہ نے فرصت
تیرے دولت کدے پر جان لو مہمان کا وعدہ

میرے والد کسی سے کم نہیں

24/اپریل 2016ء کو میرے والدِ محترم مولانا محمد بشیر شوپیانیؒ انتقال کر گئے۔ اُن کی وفات کے بعد مجھے احساس ہوا کہ واقعی باپ ایک سایہ دار درخت ہے جو بے حساب سایہ دیتا ہے۔

وہ میرے حال سے واقف تھا
دُکھ سُکھ کا مجھے ساتھی تھا

وہ تو میرا دوست بھی تھا

زخموں کا میرے درماں تھا
وہ میرا دردِ پنہاں تھا

غم دوراں غم جاناں تھا
وہ میرا جانِ جاناں تھا

اِک دِن میں بیمار پڑا
آئے دیکھنے تھے مجھ کو
بستر پر جب ہم کو پایا
وہ اپنے کو سنبھل نہ سکا

وہ تو میرا دوست بھی تھا

کیا کرتے ہو ٹھیک تو ہو
کچھ پیسے جو رکھے تھے
دیکھا تو حیران ہوا
جو بھی تھے وہ رکھے تھے

وہ تو میرا دوست بھی تھا

کیا کرتے ہو مولانا[۱]
کچھ بھی ضرورت ہوتو بتا
نئی کتاب نیا عنوان
لایا ہوں تو بھی پڑھنا

وہ تو میرا دوست بھی تھا

اس کی بابت بتلانا
حرف کو پرکھانا
کوئی معمہ کھل جائے
اوروں کو بھی دکھلانا

وہ تو میرا دوست بھی تھا

۱:......راقم کو پیار سے مولانا پکارتے تھے

میری والدہ مرحومہ

26 ر جنوری 2006ء کو فوت ہوئی۔

تیری تربت پہ نہیں آیا ہوں میں رونے کے لئے
مجھے معلوم ہے تو نے بخشا ہے مجھے سوزِ دروں

تیری موت سے خالی ہوا خزینۂ جود و کرم
تیری موت سے افسردہ مجھے لگتا ہے سارا گردوں

زندگی کا مزہ موت سے ہے اے غافل انسان
صبر کی ہو نہ اگر تلقین تو ہو جاتا میں ورنہ مجنون

تیری ہر بات میں دانائی تھی مخفی ہر دم
یاد آتے ہیں وہ لمحات تو ہے چشم گریہ پر خون

کون حوصلہ دے اب تو جو دیتی تھی مجھے بپتا میں
کون بے لوث ہے مخلص ہے یہاں تو کس کی سُن لُوں

وا ہو دروزِاہ جنت اے خدا میری والدہ کے لیے
پھر ملا مجھ کو وہاں اُن کی ملاقات کے لئے نہ ترسوں

دخترِ نیک اختر

ہے خوش نصیب وہ جس دختر عطا کرے
منظور ہو دعا میری ایسا خدا کرے

سرمایۂ حیات ہے دختر ہو نیک خو
نعمت کے اِس حصول میں اُس کی ثنا کرے

یا رَب میں سر بہ سجدہ ہوں درگاہ پہ تیری
یہ اشک جگر سوز ہمیشہ بہا کرے

کم بخت ہوں یہ نعمتِ عظمیٰ نہیں ملی
میرے خدا، یہ دل میرا تم سے گلہ کرے

لازم ہے قوم پہ کہ ہو تعلیم و تربیّت
اچھی سی پرورش میں وہ حصہ ادا کرے

کس نے کہا یہ بوجھ ہے، افسوس ہو اُس پر
رسم ورواج کے لئے بس اختراع کرے

دختر کی قدر ومنزلت جس کو نہیں معلوم
اللہ کے رسول کی وہ اقتداء کرے

ہے لائقِ تعظیم پھر بھی روک ہے لازم
شیطان خو اِس ذات پر ظلم وجفا کرے

یہ بات حقیقت ہے ذرا غور سے سُن لے
دختر اگر اولاد ہے تو بس وفا کرے

ماں پردیس میں

دیکھنے آئی ہوں میں اپنا پِسر پردیس میں
یاد آیا گاؤں کا اِک اِک پہر پردیس میں

ماں تیری ہوں زور سے لگ جا گلے میرے پسر
کچھ نہ کچھ ہوتا رہا زیر وزبر پردیس میں

مجھ کو کچھ بھاتا نہیں تیری شفقت کے بِنا
کیا انوکھا ہوگیا میرا سفر پردیس میں

شام ہوتے ہی مجھے یاد آئی وہ رعنائیاں
ٹھوکریں کھاتے ہو ہر دم در بدر پردیس میں

جب کسی سے کچھ گلہ شکوہ نہیں تو کیا کروں
دشت کی مانند ہے ایسا شہر پردیس میں

کس کو ہے تیرے ستم اور درد وغم سے واسطہ
نالہ ہو فریاد ہو ہے بے اثر پردیس میں

وہ گلی بھی یاد ہے جس میں گزارے رات دِن
دور بستی سے پڑی ہوں بے خبر پردیس میں

چھت پر چڑھنا اور پتنگوں کو اُڑانا یاد ہے
کتنا کڑوا ہوگیا قند و شکر پردیس میں

صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہے اب کیا کروں
سختیاں ہی سختیاں زیرِ نظر پردیس میں

جی نہیں لگتا یہاں اپنا وطن ہی ٹھیک ہے
میں پریشاں ہوگئی ہوں اس قدر پردیس میں

رات کو کرتے ہو دِن پھر نہیں فرصت تجھے
کچھ نہیں مِلتا یہاں چھپنے کو سر، پردیس میں

کیا سکونِ دِل کبھی مل سکتا ہے بازار سے
وہ تو سب کچھ ہوگیا چیزے دگر پردیس میں

کون تیرے مرگ پہ روتا رہے ماتم کناں
بس توجہ کا ہے مرکز سیم و زر پردیس میں

پوچھنا اُس ماں سے تم اولاد کی بابت کبھی
جو وہیں کا ہوگیا لختِ جگر پردیس میں

بر پیدائش عبان باسط سلمہ اللہ تعالیٰ (پوتا)

میرے آنگن میں ایک پھول کھلا
یا الٰہی ہمیں عبان ملا
رفعتِ گُل کی خوشہ چینی سے
پتّے پتّے کو مل گئی ہے جِلا
بُلبُلیں پھر سے چہچہاتی ہیں
اور ٹہنی پہ گیت گاتی ہیں
اپنے دادا کا لاڈلا ہے تو
دیکھنا اب کہ باوفا ہے تو

بر پیدائش مولوی محمد عرش سلمہ اللہ تعالیٰ (پوتا)

آج پھر سے بہار آئی ہے
ہر طرف کیا نکھار آئی ہے

چار سو ہوگیا معطّر ہے
زندگی پھر قرار پائی ہے

عرش کتنا ہے خوش بخت میرا
رونق بزم ساتھ لائی ہے

میری خوشیوں کا انجمن ہے عرش
جیسے محفل میں رَس ملائی ہے

برپیدائش مولوی محمد اعظم سلمہ اللہ تعالیٰ (پوتا)

چہرہ کھِلا کھِلا ہے تیرا رنگ ہے کتنا گورا سا
جیسے ساگر میں آیا ہے چاند کا چہرہ اوپر سا
تیرا ہنس مُکھ چہرہ دیکھا میرے سب غم دور ہوئے
گرمی کی لُو میں آئی ہے جیسی اِک ٹھنڈی ورشا
کوئی نہیں ہے دینے والا یہ اللہ کا کرشمہ ہے
اعظم آئے میں نے بولا یہ تو شکر ہے اللہ کا

مولوی محمد عرش سلمہ اللہ تعالیٰ

عید کے روز انتظار کے باوجود نہ آئے تو میں نے یہ نظم لکھی

میں نے خواب میں دیکھا اپنے پوتے کو
ننھے کندھے پر تھا بستہ لئے ہوئے

تیرے کھلونے ہال میں ہیں خاموش پڑے
جیسے تجھ سے ہیں برسوں سے کٹے ہوئے

آج کی عید بھی کتنی سونی سونی تھی
عیدی لینے میں بھی تم ہو بٹے ہوئے

عرش تو سن لے میرا تو ہے نورِ چشم
جلدی آؤ دِل ہے میرا پھٹے ہوئے

....

23/اگست 2015ء عیدالاضحیٰ

وہ رات پھر نہ آئے

وہ رات پھر نہ آئے وہ لمحہ پھر نہ آئے میرا سکون چُرائے

جب اس نے ہم کو لوٹا ہے گولی سے بھون ڈالا

اک ڈیڑھ سالہ بچی اس کو بھی روند ڈالا

آنکھوں پہ اس کے پٹی بے رحم تیغ والا

وہ رات پھر نہ آئے وہ لمحہ پھر نہ آئے میرا سکون چُرائے

پھولوں کو ایک پل میں روندا اور مسل ڈالا

پیاری سی ٹہنیوں اور کلیوں کو توڑ ڈالا

کچھ جیتے جی گھروں کو اب پڑگیا ہے تالا

آگ وآہن کی بارش سب کو جلائے بیٹھی

کٹیا کے بیم و در کو یک سر اُڑائے بیٹھی

وہ رات پھر نہ آئے وہ لمحہ پھر نہ آئے میرا سکون چُرائے

خوف وخطر کی گھنٹی ہم کو دبائے بیٹھی

جب دختراں کی عصمت اور آدمی کی عزت

پھر داؤ پر لگی تھی سارے شہر کی حُرمت

نکلا ہوں آبلہ پا برپا ہے پھر قیامت

وہ رات پھر نہ آئے وہ لمحہ پھر نہ آئے میرا سکون چُرائے

آرام گاہ بنی جب میرے لئے ہی مقتل
ایک تیز دھار خنجر بن کر وجود بسمل
درد و کرب کا عالم چھایا تھا جیسے ہر پل

وہ رات پھر نہ آئے وہ لمحہ پھر نہ آئے میرا سکون چُرائے

رقصاں ہے موت ہرسو پونچھے گا کون آنسو
بارات بھی لٹی ہے حیوانیت کی تھی خو
چاروں طرف ہے پھیلی بارود کی ہی بدبو

وہ رات پھر نہ آئے وہ لمحہ پھر نہ آئے میرا سکون چُرائے

کاندھوں پہ ہے جنازہ ہے واردات تازہ
میرے شہر کا کوچہ جیسے بنا ہے غازہ
گولی چلی ہے پھر سے اب کیا اُٹھے جنازہ

وہ رات پھر نہ آئے وہ لمحہ پھر نہ آئے میرا سکون چُرائے

بچوں کو بھی نہ بخشا ایسا قہر بپا ہے
سینہ ہے میرا چھلنی اور جسم اَدھ مرا ہے
دہشت ہے گاؤں گاؤں شہروں میں حوصلہ ہے

وہ رات پھر نہ آئے وہ لمحہ پھر نہ آئے میرا سکون چُرائے

قریہ قریہ، بستی بستی

قریہ قریہ بستی بستی
کہیں بالا کہیں پستی
سبز وادیوں کا کہیں نام ونشان نہیں
تیز اور سخت دھوپ نے دریا سکھا دئے
ٹہنیاں بے برگ وثمر
اور سیلاب نے ندیوں کے کنارے اُڑا دئے
اب کی بار ٹہنیوں پر
بُلبُل نہیں چہچہائے
نہ میں نے کوئی کوئل دیکھی
سنا کہ مکانوں کے چھتوں پر پیوستہ ٹاوروں نے
چڑیوں کا چہچہانا بھی ناپید کردیا
دراصل ایٹمی شعاعوں نے ہُدہُد کو بھی پریشان کردیا

وہ یہاں اب آتا ہی نہیں
نہ کھیت کھلیانوں میں اپنی لمبی چونچ زمین میں دھنستا ہے
اب کوچوں میں بے ہنگم کُتے
ہر طرف کُتے ہی کُتے
کتّوں کا بھونکنا
یا سستی شہرت والے سیاست دانوں کی مٹر گشتی
بے ہنگم وعدے ہی وعدے
لوگوں کا جمِ غفیر، کوڑے کرکٹ کے ڈھیر
حیران ہوں کہ یہ جانتے ہوئے بھی
کہ ان کا وعدہ وفا نہیں ہوگا
لوگ پھر بھی چیل اور گدھ کی طرح ان کے اردگرد
منڈلاتے ہیں۔
قریہ قریہ، بستی بستی
بس اور بس مفاد پرستی

سیلاب ستمبر 2014ء

بستی کا ایک رو میں تب وتاب لے گیا
تعبیر سے پہلے ہی میرا خواب لے گیا

کچھ بھی بچا نہیں مگر ہمت جو ساتھ تھی
تنکے میرے صحن کے بھی سیلاب لے گیا

کس کو سناؤں گا تباہی کا حال میں
دیکھے ہی دیکھے نسخۂ نایاب لے گیا

سیکھے کوئی تم سے ہی مساوات کی تعلیم
قرطاس کیا، سیاہی، قلم، آب لے گیا

جاں میری بچ گئی مگر اِک داغ رِہ گیا
اِک پل میں کتاب سخن کا باب لے گیا

صدیق حسنؒ کی وہ ابقاء المنن کتاب
گھر سے میرے وہ گوہر نایاب لے گیا

تمہید سلیمان کو نہ بخشا وہ بدلحاظ
شاداب چمن تھا اُسے شاداب لے گیا

وہ یہاں اب آتا ہی نہیں
نہ کھیت کھلیانوں میں اپنی لمبی چونچ زمین میں دھنستا ہے
اب کوچوں میں بے ہنگم کُتے
ہر طرف کُتے ہی کُتے
کتّوں کا بھونکنا
یا سستی شہرت والے سیاست دانوں کی مٹر گشتی
بے ہنگم وعدے ہی وعدے
لوگوں کا جم غفیر، کوڑے کرکٹ کے ڈھیر
حیران ہوں کہ یہ جانتے ہوئے بھی
کہ ان کا وعدہ وفا نہیں ہوگا
لوگ پھر بھی چیل اور گدھ کی طرح ان کے ارد گرد
منڈلاتے ہیں۔
قریہ قریہ، بستی بستی
بس اور بس مفاد پرستی

سیلاب ستمبر 2014ء

بستی کا ایک رو میں تب وتاب لے گیا
تعبیر سے پہلے ہی میرا خواب لے گیا
کچھ بھی بچا نہیں مگر ہمت جو ساتھ تھی
تنکے میرے صحن کے بھی سیلاب لے گیا
کس کو سناؤں گا تباہی کا حال میں
دیکھے ہی دیکھے نسخۂ نایاب لے گیا
سیکھے کوئی تم سے ہی مساوات کی تعلیم
قرطاس کیا، سیاہی، قلم، آب لے گیا
جاں میری بچ گئی مگر اِک داغ رہ گیا
اِک پل میں کتاب سخن کا باب لے گیا
صدیق حسنؒ کی وہ ابقاء المنن کتاب
گھر سے میرے وہ گوہر نایاب لے گیا
تمہید سلیمان کو نہ بخشا وہ بدلحاظ
شاداب چمن تھا اُسے شاداب لے گیا

سُرخ ٹماٹر

ریڑھے پر ٹماٹر

بیچ کر روزی کماتا ہوں

بے کاری ذلّت ہے

کچھ کما کر ہی سکون پاتا ہوں

تجارت میں برکت ہے

عزت ہے، شہرت ہے

سرکاری نوکر تو نہیں ہوں

اگر دفتر بھی نہ جاؤں تنخواہ ملے گی

چولہا بھی جلے گا اور گھر کی دیگ بھی پکے گی

بھئی..................ہاں

میں مزدور ہوں

مجبور ہوں

اچھا دے میرے بھائی کچھ ٹماٹر

اور ہتھ گولہ پھٹ گیا

لوگ تتّر بتّر ہو گئے

ہتھ گولہ کے ٹکڑے

جسم میں پیوست ہوئے

ٹماٹر خون سے اور سُرخ ہو گئے

کئی مجروح بے دست و پا ہو گئے

سڑک پر جوتے اور چیزیں بے ہنگم

بچّے ماں باپ سے جُدا ہو گئے

قیامت کی چیخ و پُکار

لوگ کیا سے کیا ہو گئے

ہر طرف دہشت اور سناٹا

ریڑھے کے ایک جانب

لاش اور ٹماٹر.......................!

کوؤں کا جھُنڈ

اِک بار کھڑکی سے جھانکا
دیکھا کوؤں کا جھُنڈ
شور اتنا اُٹھائے
کہ مجھے کیا معلوم
ایک کوّا ٹہنی سے گرا تھا
درد سے بے چین تھا
اُڑ نہ سکتا تھا کہیں
میں نے دیکھا اُسے پھڑ پھڑاتے پر اور زمین
جسم چھلنی تھا
نزدیک جو آئے ہم نشیں

سارے بے تاب تھے
لے جائیں اِسے اور کہیں
شور اتنا مچائے تھے
کیا بھی کر سکتے تھے زیر نگیں
ماجرا سُن کر تڑپ اُٹھا، حیران ہوا
دیکھی کوؤں کی ہمت
تو یاد آئی اپنی ذات
میرے ساتھی بے مروّت خالی ہاتھ
وہ مصیبت میں کسی کا ساتھ نہیں دیتے
اپنی ساتھ کا وہ کبھی غم نہیں لیتے
دیکھا جو کوؤں کا جھُنڈ پھر ساتھی کو نہیں چھوڑا
شور سے ہی سہی
ایک پل کے لئے اپنے ساتھی کا غم توڑا

قطعہ

مجھے کیا غم ہے لوگوں سے اگر وہ طعنہ دیتے ہیں
خدایا تم کرو اپنی محبت کی فراوانی

اِدھر سے فتنہ گر آیا اُدھر سے فتنہ گر نکلا
مجھے ہر حال میں چاہئے فقط تیری نگہبانی

☆☆

قطعہ

مجھے کیا غم ہے لوگوں سے اگر وہ طعنہ دیتے ہیں
خدایا تم کرو اپنی محبت کی فراوانی

اِدھر سے فتنہ گر آیا اُدھر سے فتنہ گر نکلا
مجھے ہر حال میں چاہئے فقط تیری نگہبانی

☆☆

قطعہ

مُجھے کیا غم ہے لوگوں سے اگر وہ طعنہ دیتے ہیں
خدایا تُم کرو اپنی محبت کی فراوانی

ادھر سے فتنہ گر آیا اُدھر سے فتنہ گر نکلا
مُجھے ہر حال میں چاہے فقط تیری نگہبانی

ISBN 978-93-5673-529-3
MRP: 200/-
9 789356 735293
Evincepub Publishing

قطعہ

مُجھے کیا غم ہے لوگوں سے اگر وہ طعنہ دیتے ہیں
خدایا تُم کرو اپنی محبت کی فراوانی

ادھر سے فتنہ گر آیا اُدھر سے فتنہ گر نکلا
مُجھے ہر حال میں چاہیے فقط تیری نگہبانی

ISBN 978-93-5673-529-3
MRP: 200/-
9 789356 735293 >
Evincepub Publishing